پروفیسر محمد صدیق

برصغیر پاک و ہند کا ایک عظیم تعلیمی ادارہ

اسلامیہ کالج لاہور

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد سرسید احمد خان (ولادت ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء، وفات ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء) نے اپنی پس ماندہ قوم کی اصلاح اور عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کے لیے ایک پُر امن اور قانونی سعی کا آغاز کیا۔ وہ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے لیے جدید تعلیم کو ضروری تصور کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کی مذہبی، تہذیبی، معاشرتی، ادبی اور تعلیمی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

علی گڑھ تحریک کے سات سال بعد لاہور کے چند ہمدرد اور حساس مسلمانوں نے ۲۴ ستمبر ۱۸۸۴ء کو مسجد بکن خان اندرون موچی دروازہ لاہور میں انجمن حمایت اسلام لاہور کی ابتدا صرف ۵۴ روپے کی معمولی رقم سے کی۔ قاضی محمد حمید الدین کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ ابتدا میں انجمن کا مقصد صرف تبلیغ اسلام تھا۔ مگر تعلیمی میدان میں اس کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ تعلیمی خدمات کا آغاز چھوٹے چھوٹے مدرسوں سے ہوا، جو مسلمان بچوں اور بچیوں کو ہندو مت اور عیسائیت کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے شہر لاہور کے مختلف گلی کوچوں میں "مدرسۃ المسلمین" کے نام سے قائم کیے گئے۔ ان مدارس کے نصاب میں دینی تعلیم کے علاوہ پرائمری نصاب کی کتابیں بھی شامل تھیں۔ اکتوبر ۱۸۸۶ء میں صرف ۳۰ طلبا کے ساتھ ایک پرائمری سکول "مدرسۃ المسلمین" قائم کیا گیا جو طویلہ شاہ نواز واقع بازار صریاں والا لاہور، حویلی سکندر خان واقع ڈبی بازار اور حویلی راجا دھیان سنگھ سے ہوتا ہوا شیرانوالے دروازہ پہنچا۔

شیرانوالہ دروازہ کی عمارت میں منتقل ہونے سے پہلے یہ مدرسہ کرایہ کی عمارت میں قائم تھا۔ ۱۸۸۸ء میں یہ مڈل سکول ہوا۔ ۱۸۸۹ء میں ہائی سکول اور مئی ۱۸۹۲ء میں کالج کے درجے تک پہنچا۔ اس کے بعد وقت کے ساتھ ساتھ انجمن نے بہت سے زنانہ اور مردانہ تعلیمی ادارے قائم کیے، جو قومی تحویل میں لیے جانے (یکم ستمبر ۱۹۷۲ء) کے بعد اب بھی پیشہ ورانہ تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مگر اس مقالے میں صرف

اسلامیہ کالج فار بوائز کا ذکر مقصود ہے۔

اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ کی روز افزوں ترقی کے بعد مسلمانانِ پنجاب کی تحریک پر انجمن نے فیصلہ کیا کہ لاہور میں ایک اسلامی کالج قائم ہونا چاہیے۔ انجمن کے آٹھویں سالانہ جلسے کی رپورٹ میں مذکور ہے کہ "مسلمانانِ پنجاب کی تحریک پر انجمن نے کامل غور و فکر کے بعد ان تمام مضامین کو جو پنجاب میں اسلامیہ کالج کی ضرورت کی نسبت اخبارات میں شائع ہوئے، مدنظر رکھ کر مدرسہ اسلامیہ کو اور وسعت دی اور خدا کے توکل پر مئی ۱۸۹۲ء سے کالج کی ایک جماعت قائم کر دی۔ کلاس کھلنے پر کل چھ طلبا داخل ہوئے مگر سال کے اخیر پر گیارہ ہو گئے۔" مئی ۱۸۹۲ء کو انجمن کی جنرل کونسل نے یہ تجویز منظور کر لی کہ اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ میں ایک انٹرمیڈیٹ کالج قائم کیا جائے اور اس کا نام "اسلامیہ کالج" ہو۔ دینِ اسلام کی تعلیم اس کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیے۔ تمام ابتدائی اور ضروری انتظامات کی تکمیل کے بعد کالج کا قیام عمل میں آگیا۔ چوہدری نبی بخش بی۔ اے کالج کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل علما و فضلا کالج میں انگریزی، ریاضی، تاریخ، فلسفہ، فارسی، عربی اور دینیات کی تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ خواجہ ضیاء الدین بی۔ اے، وائس پرنسپل اور پروفیسر فلسفہ، ایم محمد علی، ایم۔ اے پروفیسر تاریخ، میر عبدالوحید بی۔ اے اسسٹنٹ پروفیسر فلسفہ اور سید اصغر علی روحی ایم۔ او۔ ایل پروفیسر فارسی اور عربی۔

۱۸۹۳ء میں سالِ دوم کی کلاس قائم ہوگئی۔ ابتدا میں کالج کو اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ کے دو کمروں میں قائم کیا گیا تھا۔ ایک کمرہ کلاس روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا جبکہ دوسرا پرنسپل، سٹاف اور کالج کے دفتر کے لیے مخصوص تھا۔ آئندہ سال ۱۸۹۳ء میں فرسٹ ایر کے داخلے کے وقت ایک اور کمرہ سالِ دوم کے طلبا کے لیے سکول سے حاصل کیا گیا۔ اس طرح کالج تین کمروں پر مشتمل ہوگیا۔ سکول کی عمارت دو منزلہ تھی۔ اوپر، نیچے چاروں طرف کمرے تھے۔ اوپر کے کمروں کے آگے ایک خوبصورت گیلری تھی۔ نیچے کی منزل اور اوپر کی منزل کے کچھ حصے میں سکول تھا اور کچھ حصے اسلامیہ کالج کے لیے مخصوص تھے۔ ابھی کالج کی علیحدہ عمارت نہیں بنی تھی۔

۱۸۹۴ء میں اسلامیہ کالج کے طلبا کی پہلی جماعت ایف۔ اے کے امتحان میں شریک ہوئی۔ طلبا کی تعداد سات تھی۔ ان میں سے تین کامیاب ہوئے اور چار ناکام رہے۔ ۱۸۹۶ء میں سر میاں محمد شفیع[1] کی کوشش

[1] سر میاں محمد شفیع ۱۰ مارچ ۱۸۶۹ء کو پیدا اور ۷ جنوری ۱۹۳۲ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ رنگ محل مشن ہائی سکول سے

سے پنجاب یونیورسٹی نے اس انٹرمیڈیٹ کالج کی باقاعدہ منظوری دے دی اور کالج کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے ہوگیا۔ پنجاب یونیورسٹی سنڈیکیٹ نے ۷ مئی ۱۸۹۶ء سے کالج کے آرٹس کے طلبا کو ہر طرح کے وظیفے سے بہرہ ور ہونے کا حق قرار دے دیا۔

۱۹۰۰ء تک یہ کالج صرف تین کمروں پر مشتمل تھا۔ آٹھ سال تک ان میں طلبا کو انٹرمیڈیٹ تک کے مضامین کی تعلیم دی جاتی رہی۔ ۱۹۰۰ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے اسلامیہ کالج میں ڈگری کلاسز شروع کرنے کی اجازت مل گئی۔ ۶ مئی ۱۹۰۰ء کو انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس ہوا اور اس میں ڈگری کلاسیں جاری کرنے کے متعلق مزید غور و خوض کیا گیا۔ اس وقت بی۔اے کلاسز کے اجرا میں دو دقتوں کا کا سامنا تھا۔ اوّل کالج کے پاس جگہ کی کمی اور دوم قلیل تنخواہ پر قابل اور تجربہ کار اساتذہ کی فراہمی کا مسئلہ، جس کی طرف انجمن کے بیسویں سالانہ اجلاس کی روداد مطبوعہ اسلامیہ کالج منتھیلی، میں مندرجہ ذیل سطور میں اشارہ کیا گیا ہے۔ "اسلامیہ کالج اگرچہ اس معیار کا نہیں جس معیار کا اس کو ہونا چاہیے اگر اس میں پروفیسر صاحبان دل جمعی سے کام نہیں کرتے تو اس کا سبب ان کی کم تنخواہ ہے۔ فنڈز کی کمی کے باعث زیادہ تنخواہ دینا ناممکن ہے۔ اگر کالج کی علیحدہ عمارت نہیں تو وہ بھی فنڈز کی قلت کی وجہ سے ہے۔"[۵۲]

کالج کے لیے کمروں کی قلت کا مسئلہ سکول کے شمالی حصے پر بالائی منزل تعمیر کر کے پورا کیا گیا۔ اس پر مرزا ارشد گورگانی نے یہ مزاحیہ مصرع کہا:

"یار لوگوں نے ع کوٹھے پہ بٹھایا کالج"

اساتذہ کی کمی کو سر عبدالقادر (ولادت ۱۸۷۴ء۔ وفات ۱۹۵۰ء) اور ان کے احباب خان صاحب

میٹرک، ایف سی کالج سے ایف۔اے اور انگلستان سے بار ایٹ لا کیا اور وکالت شروع کی۔ سر سید احمد خان کی تحریک سے متاثر ہو کر محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے مقاصد کی ترویج کی اور کالج کو علی گڑھ یونیورسٹی بنانے کی تحریک میں حصہ لیا۔ اس کارِ خیر کے لیے چندہ جمع کیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور سینٹ کے ممبر رہے۔ ۱۹۰۰ سے ۱۹۱۹ تک اسلامیہ کالج کی گورننگ باڈی کے رکن رہے۔ ۱۹۱۱ء میں اردو کانفرنس، ۱۹۱۲ء میں ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۱۳ اور ۱۹۲۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر رہے۔ آپ مسلمانوں کو جدید علوم سے بہرہ ور دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کو دہلی یونیورسٹی نے ایل۔ایل۔ڈی اور علی گڑھ یونیورسٹی نے ڈی۔لٹ کی ڈگری دی۔

۵۲ اسلامیہ کالج منتھیلی۔ اپریل ۱۹۰۵ء، ص ۱

شیخ عبدالعزیز اور میاں عبدالعزیز فلک پیما (ولادت ۱۸۸۱ء - وفات ۱۹۵۱ء) نے بطور اعزازی اساتذہ پورا کر دیا۔ یہ اصحاب نہایت محنت، جانفشانی اور باقاعدگی سے ایک عرصے تک کالج میں دو گھنٹے انگریزی زبان و ادبیات اور دیگر مضامین کی تعلیم دیتے رہے۔ اس طرح کالج ڈگری کالجز کی صف میں شامل ہو گیا، اور اس سال سے انگریزی، ریاضی اے کورس، تاریخ، عربی، فارسی اور دینیات کے مضامین کی تدریس کے لیے طلبا کو سال سوم میں داخل کیا گیا۔ پنجاب یونیورسٹی کیلنڈر میں ڈگری کلاسوں کے جاری ہونے کا تذکرہ یوں موجود ہے "کالج میں بی۔اے سالِ سوم کی جماعتیں شروع کر دی گئی ہیں۔ بی۔اے میں انگریزی، ریاضی، تاریخ، عربی، فارسی اور دینیات کے مضامین کی تدریس ہوتی ہے۔ یہ پنجاب کا واحد کالج ہے جس میں آرٹس کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔"

۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۰ء تک کالج میں صرف تین اساتذہ مدرس تھے۔ یعنی مولوی حاکم علی (متوفی ۱۹۲۵ء) ایم محمد دین اور مولوی اصغر علی روحی اور جب ڈگری کلاسوں کا داخلہ مکمل ہو گیا تو مولوی حاکم علی کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے اور ان کے علاوہ درج ذیل فاضل اساتذہ اس کالج میں موجود تھے۔

۱۔ مولوی حاکم علی بی۔اے — پرنسپل و استاد ریاضی اور فزیکل سائنس
۲۔ شیخ عبدالعزیز بی۔اے — استاد انگریزی
۳۔ حافظ عبدالعزیز ایم۔اے — " تاریخ
۴۔ شیخ عبدالقادر بی۔اے — " انگریزی
۵۔ منشی فتح الدین بی۔اے — " انگریزی و فلسفہ
۶۔ مولوی اصغر علی روحی ایم او ایل — " عربی و فارسی
۷۔ مولوی حافظ احمد علی مولوی فاضل و منشی فاضل — " دینیات

اوائل اپریل ۱۹۰۴ء تک یہ کالج شیرانوالہ سکول کی عمارت میں قائم رہا۔ ۴ اپریل ۱۹۰۴ء کو لاہور میں زلزلہ آیا۔ یہ زلزلہ اس قدر شدید تھا کہ اہل لاہور اپنے گھروں سے نکل کر بیرون باغ میں آ گئے تھے۔ اس زلزلے میں کالج کے کمروں کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ چنانچہ ۹ اپریل ۱۹۰۴ء کو سکول کی عمارت خالی کر دی گئی اور کالج نئی عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ اسی دن مولوی حاکم علی پرنسپل کالج نے مختلف جماعتوں کو کمروں کی الاٹمنٹ بھی کر دی۔

شیرانوالہ سکول میں کالج کی موجودگی کی وجہ سے سکول کے پاس بھی جگہ کی کمی تھی۔ تمام جماعتوں میں طلبا کی تعداد بھی بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ کالج کے چلے جانے سے سکول کے پاس کافی جگہ خالی ہوگئی۔

جناب مولانا اصغر علی روحی (ولادت ۱۸۱۸ء۔ وفات مئی ۱۹۵۴ء) نے اپنے فرزند پروفیسر صوفی ضیاء الحق صاحب سے ذکر کیا تھا کہ جب شیرانوالہ سکول میں جگہ کی قلت کو شدت سے محسوس کیا گیا تو کالج کو اندرون موری گیٹ راجا پٹیالہ کی حویلی میں منتقل کر دیا اور اس کے بعد اس کو خان بہادر ڈاکٹر سید امیر شاہ سول سرجن کے ذاتی مکان واقع بیرون موچی دروازے منتقل کیا گیا۔ ڈاکٹر سید امیر شاہ انجمن کے مخلص خیر خواہ اور رکن تھے۔ ایک زمانے میں وہ ہوسٹل میں مقیم طلبا کا معائنہ اور علاج بھی کیا کرتے تھے۔ ان کے مکان کا صحیح محل وقوع بیرون موچی دروازہ نہیں بلکہ ریلوے روڈ ہے۔ چوک گوال منڈی سے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کی طرف جاتے ہوئے دائیں ہاتھ معروف اشاعتی ادارہ دارالاشاعت (قائم کردہ مولوی ممتاز علی، والد سید امتیاز علی تاج) کی عمارت سے متصل قدیمی یتیم خانہ (قائم شدہ ۱۸۹۴ء) کی عمارت سے ملی ہوئی دیوار، روز سینما اور اس کے ساتھ ملحق عمارات کی ہے۔ یہ سینما اور عمارات ۱۹۳۲ء میں تعمیر ہوئیں۔ یہ عمارات کافی وسیع ہیں۔ ان کے ایک حصے میں گورنمنٹ عزیزالاسلام ماڈل ہائی سکول ہے۔ ۱۹۳۲ء سے قبل اس رقبے پر موجود عمارت میں اسلامیہ کالج منتقل ہوا تھا۔ یہی مکان ڈاکٹر سید امیر شاہ کا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں یہی علاقہ بیرون موچی دروازہ کہلاتا تھا۔ کیونکہ ڈپٹی برکت علی کی کوٹھی اور موجودہ سینما کے درمیان ایک کھلا میدان تھا۔

یہ سب انتظامات عارضی اور وقتی تھے۔ انجمن اس عظیم منصوبے کی تکمیل کے لیے اراضی حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ چنانچہ اس کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ ۱۹۰۵ء میں انجمن نے اسلامیہ کالج اور کالج ہوسٹل کی تعمیر کے لیے ۵۰ ہزار روپے کی خطیر رقم سے پچاس کنال اراضی خریدی۔ فروری ۱۹۰۷ء میں امیر حبیب اللہ خان (۱۸۷۲ء - ۱۹۱۹ء) والیٔ افغانستان سیاحت کی غرض سے لاہور آئے تو انھوں نے کالج کا سنگ بنیاد رکھا اور مبلغ بیس ہزار روپے کالج کی تعمیر کے لیے دیے اور چھ ہزار روپے سالانہ کی رقم کا عطیہ منظور کیا۔ انھی کے نام پر کالج کا ہال حبیبیہ ہال کہلاتا ہے۔ کالج کی تعمیر کے لیے ملک کے مخیر حضرات اور مسلمان والیان ریاست نے دل کھول کر عطیات دیے۔ کالج کے طلبا اور اساتذہ نے تعطیلات میں ملک کے طول و عرض میں گھوم پھر کر کالج کی تعمیر کے لیے چندہ جمع کیا۔

کالج کی عمارت کا نقشہ انجمن کے ایک مخلص کارکن میاں عبداللہ انجنیئر نے تیار کیا اور خود ہی تعمیر کے کام کی نگرانی بھی کی۔ کالج ہوسٹل (ریواز ہوسٹل) کی تعمیر کا کام پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ ۱۹۰۶ء میں پنجاب گورنمنٹ نے پچیس ہزار روپے ہوسٹل کی تعمیر کے لیے منظور کیے۔ ۱۹۰۸ء میں ہوسٹل کی عمارت مکمل ہوگئی تو اس کا افتتاح سر لوئی ڈین نے کیا۔ ریواز ہوسٹل کی تکمیل کے بعد کالج کی تمام کلاسیں اور کالج کے دفاتر خان بہادر ڈاکٹر امیر شاہ کے مکان سے ہوسٹل کے مغربی حصے میں منتقل کر دیے گئے۔ تقریباً چھ سال تک کالج کی تمام کلاسیں ہوسٹل میں ہوتی رہیں۔ کالج میگزین میں کالج کی تعمیر کے آغاز کی خوش خبری، ہوسٹل کی تکمیل اور جماعتوں کے ہوسٹل میں منعقد ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

کالج کی عمارت کی تعمیر کا کام جاری ہوا تو ۱۹۰۸ء میں نواب بہاول پور نے پچھتر ہزار روپے کی خطیر رقم کا عطیہ دیا۔ اس رقم سے کالج کی عمارت کا ایک مکمل حصہ (ونگ) تعمیر کیا گیا۔ وہ حصہ بہاول پور ونگ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا ذکر علامہ اقبال نے انجمن کے چھیالیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۰ء میں جس کی صدارت سر صادق علی عباسی خامس نواب بہاول پور نے کی تھی، مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے " ۱۹۰۸ء میں دولتِ عالیہ اسلامیہ بہاول پور کی طرف سے پچھتر ہزار روپے کی خطیر رقم مرحمت فرمائی گئی۔ آج کالج کی شاندار عمارت کا پورا ایک بازو بہاول پور ونگ کہلاتا ہے۔ مسلمانانِ پنجاب اس عطیۂ خسروانہ کو جو اس ونگ کی صورت میں ہمیشہ قائم رہے گا، کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔[۵۳]

جون ۱۹۱۴ء تک کالج کی عمارات کافی حد تک مکمل ہوگئیں تو تمام جماعتیں اور دفاتر ہوسٹل سے کالج بلڈنگ میں منتقل ہو گئے۔ ۱۹۱۴ء تک کالج کی عمارت ایک منزلہ تھی۔ مگر کالج کی عمارت میں توسیع اور مرمت و تعمیرِ نو کا کام ہمیشہ جاری رہا۔ حکومتِ وقت ہمیشہ کالج کی تعلیمی خدمات کا اعتراف کرتی اور امداد دیتی رہی۔ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ اور اس کے ہوسٹل کی تمام عمارات اسلامی فنِ تعمیر کا ایک عمدہ نمونہ ہیں۔ اس کے فنِ تعمیر، حُسن اور افادیت کا تذکرہ یونیورسٹی کیلنڈر میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

" کالج ایک خوب صورت عمارت میں قائم ہے جو ریلوے روڈ اور برانڈرتھ روڈ کے درمیان واقع

---

۵۳ روئداد چھیالیسواں سالانہ جلسہ انجمن، ۲۷-۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء۔ ص ۲-۷

ہے۔ ریلوے سٹیشن سے کالج تک دس منٹ کا پیدل راستہ ہے۔ کالج کی مرکزی عمارت حبیبیہ ہال اور اس کے دونوں جانب تدریسی کمروں، فزکس اور کیمسٹری کی تجربہ گاہوں پر مشتمل ہے۔ دوسری منزل میں مزید تیرہ کمرے، بیالوجی لیبارٹری اور کتاب خانہ موجود ہے۔ کتاب خانے میں کتب کا بہترین ذخیرہ موجود ہے۔ تجربہ گاہوں میں گیس اور بجلی کی تنصیبات موجود ہیں۔ سائنسی ورکشاپ بھی تجربہ گاہوں کی مدد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ٹینس لان کے نزدیک جمنیزیم کی عمارت تعمیر کی گئی ہے جس میں ہر قسم کا جدید ساز و سامان مہیا کیا گیا ہے۔ کالج میں دو ہوسٹل ہیں۔ ریواز ہوسٹل میں دو کیوبیکل، ۲ سپیشل کیوبیکل، ۴۷ ڈورمیٹریز، ۳ لڑکوں کی رہائش والے کمرے، شفاخانے کے لیے کمرہ، مسجد، باورچی خانہ، کھانے کا ہال اور غسل خانے وغیرہ موجود ہیں۔ ہوسٹل نہایت آرام دہ ہے۔ جس کو چلانے کے لیے ایک ہمہ وقتی قابل سپرنٹنڈنٹ رکھا جاتا ہے۔ کوپر روڈ پر کریسنٹ ہوسٹل کی دوبارہ تزئین و آرائش کی گئی ہے۔ جس میں ۶۶ کیوبیکلز ہیں، اور یہ ایک پروفیسر کے دائرہ اختیار میں ہے۔ اس ہوسٹل کی دوسری منزل مستقبل قریب میں تعمیر ہو جائے گی۔ کالج میں ایک مستقل ڈسپنسری قائم ہے جو طلبا کی طبی ضروریات کو کما حقہٗ پورا کرتی ہے [کلہ]

اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور کا ذکر کیے بغیر اسلامیہ کالج لاہور کا تذکرہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس کی وسیع و عریض عمارت نے زمانے کے ساتھ ساتھ گزشتہ پون صدی میں کئی انقلاب دیکھے ہیں۔ یہ عمارت دیانند اینگلو ویدک کالج لاہور (ڈی۔ اے۔ وی کالج) کی تھی۔ اس کالج نے بھی اسلامیہ کالج کی مانند تمام مراحل طے کیے۔ دیانند اینگلو ویدک کالج (شعبہ سکول) کا قیام یکم جون ۱۸۸۶ء کو عمل میں آیا۔ مئی ۱۸۸۸ء میں انٹر کی جماعتوں کا اجرا، ۱۸۹۳ء میں بی۔ اے اور بی ایس سی کی کلاسوں کا آغاز ہوا اور ۱۸۹۵ء میں ایم۔ اے سنسکرت کی کلاسز شروع کی گئیں۔ اصل میں آریہ سماج تحریک کے بانی سوامی دیانند سرسوتی (متوفی ۲۱ اکتوبر ۱۸۸۴ء) کے نام پر یہ کالج و سکول قائم کیے گئے تھے۔ اس ادارے کے قیام کے اغراض یہ تھے (۱) ہندی زبان و ادب کی ترقی (۲) کلاسیکی سنسکرت اور ویدوں کی ترقی، تبلیغ، تعلیم اور فروغ (۳) انگریزی زبان و ادبیات کی تدریس (۴) مضامینِ سائنس کی تدریس (۵) فنی تعلیم کا فروغ۔ اس تعلیمی ادارے میں انگریزی، سنسکرت، فارسی، تاریخ، ریاضی، فلسفہ، فزکس اور کیمسٹری

[کلہ] پنجاب یونیورسٹی کیلنڈر ۱۹۳۰ء – ۱۹۳۱ء ص ۶۶۶، ۶۶۷

کے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ کالج کا انتظام ایک مینجنگ کمیٹی کے سپرد تھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد کچھ عرصے کے لیے یہ عمارت ہندوستان سے آنے والے مہاجرین پناہ گاہ اور مسکن بنی رہی۔ پھر کالج کی مرکزی عمارت کے نصف حصے میں تعلیم الاسلام کالج (حال ربا اور آدھے حصے میں ایل۔ ایس۔ ایم۔ ایف سکول (برائے طلبا و طالبات) قائم ہو گئے۔ ان کالجوں درمیان ایک خاردار تار نصب تھی، جو دونوں تعلیمی اداروں کو الگ الگ کرتی تھی۔ کالج کے دونوں دروازوں پر کالجز کے نام آویزاں تھے اور موجودہ ہنس راج لائبریری ایل۔ ایس۔ ایم۔ ایف سکو کی تجربہ گاہ تھی۔

زمانے نے ایک اور کروٹ لی اور ۱۹۵۴ء میں تعلیم الاسلام کالج نے ربوہ کی راہ لی۔ اس ط ڈی۔ اے۔ وی کالج کی عمارت کا کچھ حصہ انجمن کی کوشش سے، اس کے نام الاٹ ہو گیا۔ اب ا پر قبضہ کرنا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ کیونکہ میڈیکل سکول والے کسی طرح بھی اس بات پر رضامند نہ کہ خالی شدہ حصے کسی اور ادارے کے سپرد کر دیں، کیونکہ وہ خود ان حصوں پر قابض ہونے میں دلچ رکھتے تھے۔ مگر اسلامیہ کالج کے طلبا نے انجمن کو الاٹ شدہ حصوں پر قبضہ کر لیا۔ ان طلبا میں سے ایک نام یہ ہیں۔ یعقوب خان کشتی رانی کے کپتان حال مقیم انگلستان، میاں اعجاز احمد کرکٹ کے کپتا پروفیسر طاہر شاہ حال استاد اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، الماس انور حال اسٹریلیا باکسنگ کے کپتا شیخ محمد رمضان اسلامیہ کالج سول لائنز، دلدار بیگ مرزا سابق استاد شعبۂ تاریخ اسلامیہ کالج سول لا اور پروفیسر محمد صفدر شعبۂ سیاسیات اسلامیہ کالج سول لائنز، ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات ان کے مددگ تھے۔ اس کالج کی شکل میں انجمن کی ایک دیرینہ خواہش پوری ہو گئی، کیونکہ اس کی ایک زمانے سے آرزو تھی کہ شہر سے باہر ایک کالج قائم کیا جائے۔

نومبر ۱۹۵۴ء میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے بی۔ اے اور ایم۔ اے آرٹس کی تمام جما کو اس عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ سائنس کی تمام کلاسیں بدستور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ پر منعق ہوتی رہیں۔ کیونکہ نئے کالج میں نہ تو سائنس لیبارٹری تھی اور نہ ہی کتاب خانے میں سائنس کی معیار کتابیں موجود تھیں۔ مئی ۱۹۵۸ء تک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ اور اسلامیہ کالج سول لائنز ایک پرنسپل کے ماتحت کام کرتے رہے۔

اب سابق ڈی-اے-وی کالج کی عمارت میں دو کالج تھے۔ اسلامیہ کالج سول لائنز اور ایل-ایس-ایم ایف کالج۔ اسلامیہ کالج سول لائنز کے پاس بہت مختصر سی جگہ تھی۔ اس کالج کو قائم ہوتے ایک سال کا عرصہ گزر گیا تو ۱۹۵۵ء میں ملک فیروز خان نون (جو اس زمانے میں وزیرِ اعلیٰ پنجاب تھے) نے اس کالج کا باقاعدہ افتتاح کیا۔ ایک جلسہ منعقد ہوا اور جلسے کے اختتام پر ایم ایم شریف پرنسپل اسلامیہ کالج سول لائنز نے، جو ملک فیروز خان نون کے ذاتی دوست تھے، باقی عمارت کے حصول کے لیے کہا تو انھوں نے باقی ماندہ عمارت دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء میں ایل۔ ایس۔ ایم۔ ایف سکول بہاول پور منتقل ہو گیا اور اس طرح ساری عمارت اسلامیہ کالج سول لائنز کو مل گئی۔ اس کالج میں ڈگری اور پوسٹ گریجویٹ (آرٹس اور سائنس) کی کلاسیں ہونے لگیں اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں آرٹس اور سائنس کی انٹرمیڈیٹ کی جماعتیں منعقد ہونے لگیں۔ یکم مئی ۱۹۵۸ء کو حمید احمد خاں مرحوم اسلامیہ کالج سول لائنز کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں اس کالج میں انٹرمیڈیٹ کلاسوں کا اجرا بھی ہو گیا اور ریلوے روڈ کالج میں ڈگری کلاسز کو از سرِ نو جاری کر دیا گیا۔

انجمن حمایتِ اسلام کے قیام کا بنیادی مقصد اشاعتِ اسلام تھا، اس لیے اس انجمن کے تعلیمی داروں میں درسِ قرآن اور ترویجِ اسلام کو بہت اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ اسلامیہ کالج میں اسلام کی تعلیم کو ہمیشہ اولیت حاصل رہی ہے۔ برصغیر کے مسلم اکابر اس بات کا اعتراف مختلف اجلاسوں میں کرتے رہے ہیں۔ انجمن کے بیسویں سالانہ جلسے کو خطاب کرتے ہوئے مولانا ابو الکلام آزاد (ولادت ستمبر ۱۸۸۸ء وفات ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء) نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کالج کی اس درخشاں روایت کو خراجِ تحسین کیا: "اسلامی تعلیمات کی تدریس و اشاعت کے لیے اسلامیہ کالج ملک (برصغیر) کا واحد بہترین تعلیمی ادارہ ہے۔"[۵] اس ادارے میں طلبا کو اسلامی تربیت دینے کے لیے اسلام کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی نظریات کو تاریخ اسلام کی روشنی میں ذہن نشین کرانے کا ہمیشہ انتظام رہا ہے۔ دراصل اس درس گاہ کے قیام کے اغراض و مقاصد ہی یہ ہیں کہ مسلمان نوجوانوں کو ضروریاتِ زمانہ کے مطابق علومِ جدیدہ کے ساتھ دینِ اسلام سے مکمل طور پر متعارف و روشناس کرایا جائے۔ آج کل اسلامیہ کالج سول لائنز میں روزانہ درسِ قرآن کی مجلس نہایت

---

۵ اسلامیہ کالج منتھلی اپریل ۱۹۰۵ - ص ۳

تزک و احتشام سے منعقد ہوتی ہے۔ تمام طلبا اور اساتذہ کالج کی گراؤنڈ میں جمع ہو کر درسِ قرآن حکیم کی ضیا پاشیوں سے اپنے قلوب کو منور کرتے ہیں۔

زبان و ادبیاتِ اردو کے فروغ کے لیے اسلامیہ کالج کی خدمات سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں کالج میں بزم فروغِ اردو قائم کی گئی۔ اس بزم کے پہلے صدر پروفیسر محمد دین تاثیر (ولادت ۱۹۰۲ء۔ وفات ۱۹۵۰ء) مقرر ہوئے۔ جب وہ پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کے لیے انگلستان گئے تو ان کی جگہ ڈاکٹر سعید اللہ صدر شعبۂ نفسیات اس بزم کے دوسرے صدر مقرر ہوئے۔ اس بزم کے زیرِ اہتمام ہونے والے جلسوں میں لاتعداد علمی و ادبی مضامین پڑھے گئے۔ ۱۹۲۳ء میں بزم کے اجلاس میں پڑھے گئے تمام مقالات کو کتابی شکل میں شایع کیا گیا۔ علامہ اقبال نے کالج اور بزم کی اس کاوش کو بہت سراہا۔ اس زمانے میں پروفیسر بشیر احمد قریشی کالج کے پرنسپل تھے۔ انھوں نے اپنی سالانہ رپورٹ میں بزم کی کوششوں کو [illegible] اور کہا کہ "بزم فروغ اردو کے اجلاس میں پڑھے جانے والے تمام مقالات کو بزم نے کتابی شکل میں شائع کر دیا اور بزم کے اس کارنامے کو سر عبدالقادر، سر محمد اقبال اور سر راس مسعود نے بہت سراہا۔"[۵۶] اس بزم کے زیرِ اہتمام ایک یادگار مشاعرہ "شمع تاثیر" ہر سال منعقد ہوا کرتا تھا۔ چند سالوں سے اس کا انعقاد بوجوہ نہیں ہو سکا۔ موقعہ و محل کے لحاظ سے یہ بزم مسلمان راہنماؤں، استادوں اور عالموں کی یاد میں خصوصی اجلاس بھی منعقد کرتی ہے۔

طلبا کی تخلیقی اور مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے اسلامیہ کالج کا ایک ادبی مجلہ شائع ہوتا ہے۔ شروع میں اس جریدے کا نام "اسلامیہ کالج منتھیلی" تھا۔ مقبول بیگ بدخشانی نے اس رسالے کے اجرا کی مختصر تاریخ یوں بیان کی ہے "۱۹۰۴ء میں کالج کے طلبا میں افزونی ہوئی۔ پرنسپل صاحب نے عملے کے مشورے سے ایک انگریزی رسالے کا اجرا کیا، جس کا نام "اسلامیہ کالج منتھیلی" تھا۔[۵۷] یہ ماہوار رسالہ انگریزی میں شائع ہوتا تھا۔ ۱۹۰۸ء میں اس کا نام "تبدیل کر کے "کریسنٹ" رکھ دیا گیا۔ اس کے متعدد [illegible] شائع ہوئے۔ مثلاً (۱) اقبال نمبر اکتوبر ۱۹۳۸ء (۲) فروغِ اردو نمبر اپریل ۱۹۳۹ء (۳) فروغِ

---

۵۶ کریسنٹ سالنامہ ۱۹۲۴ء، ص ۴۴

۵۷ انجمن حمایت اسلام کی تاریخ پر [illegible] ال نظر۔ مقبول بیگ بدخشانی، کریسنٹ دسمبر ۱۹۶۳ء۔ ص ۱۰

اردو نمبر ستمبر ۱۹۴۰ء (۴) غیر ملکی ادبیات کا ترجمہ نمبر ۱۹۴۶ء (۵) تاثیر نمبر فروری اپریل ۱۹۵۱ء (۶) حالی نمبر ستمبر ۱۹۶۹ء (۷) شبلی نمبر جنوری ۱۹۷۱ء (۸) قائد اعظم نمبر ۱۹۷۶ء (۹) اقبال نمبر ۱۹۷۷ء۔

یکم مئی ۱۹۵۸ء میں اسلامیہ کالج سول لائنز قائم ہوا کیونکہ اس سے پہلے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ اور اسلامیہ کالج سول لائنز کو ایک ہی کالج تصور کیا جاتا تھا، تو اس کالج کے پہلے پرنسپل پروفیسر حمید احمد خان نے اس کالج کے میگزین کا نام، اساتذہ اور طلبا سے مشورہ کے بعد "فاران" منتخب کیا۔ فاران کا پہلا شمارہ اپریل ۱۹۵۹ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ جریدہ عام طور پر اردو اور انگریزی دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے، کبھی کبھی حصہ پنجابی کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے۔ یہ ادبی جریدہ طلبا کی خوابیدہ تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کر رہا ہے اور ان میں ادبی ذوق کی آبیاری میں مددگار ہو رہا ہے۔ اس کے جو یادگار نمبر شائع ہوئے وہ یہ ہیں۔ (۱) دس سالہ اصلاحات نمبر ۱۹۶۸ء (۲) پروفیسر حمید احمد خان نمبر مارچ ۱۹۷۵ء (۳) پروفیسر یوسف جمال انصاری نمبر مئی ۱۹۷۶ء (۴) قائد اعظم نمبر دسمبر ۱۹۷۶ء (۵) اقبال نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء۔ ان علمی و ادبی پرچوں نے بے شمار ادبا اور شعرا کو دریافت کیا اور دنیائے ادب میں متعارف کرایا۔

اسلامیہ کالج کی لائبریری ۱۸۸۸ء میں قائم کی گئی۔ اسلامیہ کالج کا قیام مئی ۱۸۹۲ء میں ہوا۔ یہ کتاب خانہ اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ میں موجود تھا۔ تاسیسِ کالج کے ساتھ ہی اس مختصر کتاب خانے کو کالج کی تحویل میں دے دیا گیا۔ گویا یہ کتاب خانہ قیامِ کالج سے پانچ سال قبل قائم ہو چکا تھا۔

قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد میں اسلامیہ کالج نے عدیم النظیر تعلیمی، ادبی، سیاسی اور ثقافتی خدمات انجام دی ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ تحریک پاکستان میں برصغیر کے تین تعلیمی اداروں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اسلامیہ کالج پشاور اور اسلامیہ کالج لاہور۔ یہاں صرف اسلامیہ کالج لاہور کا ذکر مقصود ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور اسلامیہ کالج پشاور کی مانند اس عظیم ادارے نے بھی مسلمانان برصغیر کی تمام سیاسی، مذہبی اور تعلیمی تحریکوں میں فکری اور عملی حصہ لیا۔ تحریک خلافت، تحریک ترکِ موالات، تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان میں اسلامیہ کالج کے طلبا اور اساتذہ نے تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ یہ امر بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ مسلمانانِ عالم کی فلاح و بہبود کی ہر تحریک میں کسی نہ کسی صورت میں اس کالج نے حصہ لیا۔

تحریکِ خلافت میں طلبائے اسلامیہ کالج کا کردار ناقابلِ فراموش تاریخی حقیقت ہے۔ مگر ۱۹۲۰ء میں تحریک

ترکِ موالات نے زور پکڑا تو وہ دور اسلامیہ کالج کی تاریخ کا بہت نازک اور آزمائش کا تھا، کیونکہ اس تحریک کے پروگرام میں نہ صرف انگریزی عدالتوں، انگریزی کونسلوں اور انگریزی ملازمتوں سے بلکہ یونیورسٹی سے ملحق درس گاہوں سے بھی مقاطعہ پر زور دیا گیا تھا۔ اس زمانے میں نواب ذوالفقار علی انجمن کے صدر اور علامہ اقبال جنرل سیکرٹری تھے۔

تحریکِ ترکِ موالات کو کامیاب بنانے کے لیے برصغیر کے مسلمان غالب اکثریت میں متحد تھے۔ اسلامیہ کالج کے طلبا بڑھ چڑھ کر اس تحریک میں حصہ لے رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ پنجاب یونیورسٹی سے کالج کا الحاق ختم کر دیا جائے اور کالج کو جو سالانہ تیس ہزار روپے کی سرکاری گرانٹ ملتی ہے، اس کی وصولی بند کر دی جائے یعنی ان کی خواہش تھی کہ کالج کو سرکاری دباؤ سے آزاد کروا دیا جائے۔ یہ بہت ہی ابتلا اور آزمائش کا زمانہ تھا۔ ان نازک اور حساس حالات میں کالج کے پرنسپل ہنری مارٹن نے اس تحریک کے خلاف سول ملٹری گزٹ میں بیان بازی شروع کر دی اور کالج کے پروفیسر مولوی حاکم علی بی۔ اے نے فتویٰ دیا کہ

"میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق جاری رکھنا اور سرکاری امداد لینا جائز ہے۔"[۵۸]

کالج کے ارباب حل و عقد بھی اس مصلحت کی بنا پر کہ مسلمان طلبا کا تعلیمی زیاں نہ ہو کیونکہ مسلمان پہلے ہی تعلیمی لحاظ سے پس ماندہ تھے، نہ صرف یونیورسٹی سے الحاق کے خواہاں تھے بلکہ سرکاری امداد بھی وصول کرنا چاہتے تھے۔ کالج دس روز کے لیے بند تھا مگر اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے انجمن کی جنرل کونسل اور کالج کمیٹی کے مسلسل اجلاس ہو رہے تھے۔

کالج کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ طلبائے اسلامیہ کالج کے والدین کو خطوط ارسال کیے جائیں اور ان سے کالج کے الحاق سے متعلق رائے اور مشورہ لیا جائے کہ کالج کا یونیورسٹی سے الحاق ہونا چاہیے یا نہیں۔ چنانچہ سیکرٹری کالج کمیٹی نے ۱۴۴ خطوط والدین طلبا کو بھیجے۔ ان میں سے ۳۴۷ کا جواب وصول ہوا۔ جن میں سے ۳۳۶ خطوط الحاق قائم رکھنے کے حق میں تھے اور ۱۱ خطوط مخالف تھے۔[۵۹]

چنانچہ انجمن کی جنرل کونسل نے اپنے اجلاس میں کالج کا الحاق یونیورسٹی سے قائم رکھنے اور سرکاری امداد

---

۵۸ پیسہ اخبار۔ ۲ نومبر ۱۹۲۰ء۔ ص ۳

۵۹ قلمی روداد جنرل کونسل انجمن، ۵ اپریل ۱۹۱۴ء - ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء

کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور اس کے ساتھ ہی پرنسپل نے کالج کھول دیا۔ تحریک کے سرگرم رکن طلبا کو کالج کمیٹی کی منظوری سے خارج کر دیا۔ ان کو کالج اور ہوسٹل سے خارج کر کے سرٹیفکیٹ جاری کر دیے۔ ان کے ساتھ غیر شریفانہ برتاؤ بھی کیا گیا۔ پرنسپل کے اس ناپسندیدہ رویّے کے خلاف کالج ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ جناب نظام الدین نے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔ اس واقعے سے طلبا میں غم و غصے کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی۔ کالج میں سٹرائیک ہو گئی اور طلبا نے فیصلہ کیا کہ "جب تک مسٹر مارٹن اسلامیہ کالج کے پرنسپل رہیں گے طلبا کالج میں نہیں جائیں گے"[16]

مسلمانانِ لاہور میں اس واقعے سے شدید ردِ عمل ہوا۔ جلسے منعقد ہوئے، مظاہرے ہوئے، جلوس نکالے گئے۔ ایک وفد علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا کہ پرنسپل کی معطلی کے متعلق دریافت کرے تو انھوں نے فرمایا: "یہ اندرونی معاملہ ہے، مَیں اس میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں ذاتی طور پر میں پرنسپل مارٹن کی اس حرکت کو سخت ناواجب خیال کرتا ہوں۔"

اس تحریک میں مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک گروہ ترکِ موالات کا حامی تھا اور دوسرا مخالف۔ انجمن میں بھی اربابِ انجمن اسی طرح منقسم تھے۔ میاں سر فضل حسین سکرٹری کالج کمیٹی اور شیخ عبدالقادر ترکِ موالات کے مسلمانوں کو تعلیمی نقصان کے پیشِ نظر مخالف تھے۔ مگر مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد ترکِ موالات کے حق میں تھے۔

۱۴ نومبر ۱۹۲۰ء بروز اتوار بوقت صبح ۸ بجے نواب ذوالفقار علی خان کی زیرِ صدارت اسلامیہ کالج میں انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ جنرل کونسل کے ۱۵ ممبران کے علاوہ تقریباً تین سو معززینِ شہر نے اس میں شرکت کی۔ کیونکہ اس دن کالج کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ علامہ اقبال جنرل سکرٹری انجمن نے گزشتہ جلسے کی رپورٹ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے مسلم علمائے کرام سے اس سلسلے میں رجوع کیا، تو ہمارے پاس متعدد فتوے آئے ہیں۔

"پہلا فتویٰ مولوی محمود حسن صاحب کا ہے۔ دوسرا علمائے سندھ کا۔ تیسرا علمائے دہلی کا ہے۔ چوتھا سجادہ نشین صاحب پھلواری کا ممبری کونسل کے متعلق ہے۔ فرنگی محل اور کان پور کے فتوے مجھ تک نہیں پہنچے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب

---

[16] پیسہ اخبار - ۱۹ نومبر، ص ۲

گولڑوی کو عریضہ لکھا گیا تھا مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ مولوی حاکم علی صاحب اور مولوی اصغر علی صاحب کے فتوے زمیندار میں شائع ہوئے ہیں۔ اشرف علی صاحب تھانوی کی خانقاہ کا فتویٰ علی گڑھ کالج کے اخبار میں شائع ہوا ہے۔ میں نے ۱۱ فتووں کو غور سے پڑھا ہے۔ اگر ان پر بحث ہوئی تو میں بھی اپنے خیالات ظاہر کروں گا۔[۱۱]

اس مسئلے پر بہت بحث ہوئی اور بہت زیادہ غور و خوض کیا گیا۔ اس بحث کے دوران علامہ اقبال نے فرمایا کہ:

"میں ہمیشہ ہر معاملے کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں اور جب تک کسی امر پر پورا پورا غور و خوض نہیں کر لیتا قطعی رائے قائم نہیں کرتا۔ میں مسلمانوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ آج شریعت کے احکام پر نہ چلے تو ہندوستان میں ان کی حیثیت اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل تباہ ہو جائے گی"[۱۲]

۲۱ نومبر ۱۹۲۱ء کو انجمن کی جنرل کونسل کا ایک ہنگامی اجلاس ہوا۔ اس میں جنرل کونسل کے ۷۰ ممبر شامل ہوئے اور ان کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ابو الکلام آزاد بھی موجود تھے۔ مولانا آزاد نے ترکِ موالات کے حق میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"جو لوگ مسلمانوں کے دشمن ہوں، ان سے ترکِ موالات کیا جاتے۔"

شیخ عبد القادر نے اپنی تقریر میں ترکِ موالات سے مسلمانوں کی تعلیمی زیاں کے خیال سے کہا:

"ترکِ موالات نہیں ہونا چاہیے۔"

میاں سر فضل حسین نے کہا:

"اسلامیہ کالج اور سکولز کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے قائم رکھا جاتے۔"

علامہ اقبال نے انجمن کو وصول شدہ اور اخبارات میں مطبوعہ فتووں کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیلات بیان کیں:

"اس عرصے میں ہمارے پاس متعدد فتوے موصول ہو چکے ہیں، جن میں علمائے ہند کا ایک فتویٰ ہے جس پر انتالیس علمائے کرام کے دستخط ہیں۔ علمائے فرنگی محل، علمائے دہلی، علمائے مدرسہ الٰہیات کانپور کے فتوے بھی موصول

---

۱۱ قلمی روداد جنرل کونسل انجمن۔ ۱۵ اپریل ۱۹۱۴ء۔ ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء

۱۲ زمیندار ۱۶ نومبر ۱۹۲۰ء، ص ۳۔ پیسہ اخبار، ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۲

ہو چکے ہیں - ان کے علاوہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب کا فتویٰ بھی پہنچا ہے - یہ سب فتوے عدم تعاون کے حق میں ہیں - میں نے پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف کو لکھا تھا - لیکن ان کی طرف سے اب تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا -

عدمِ تعاون کے خلاف جو فتوے میرے پاس موصول ہوئے، ان میں ایک فتویٰ تو حاکم علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج کا ہے - دوسرا فتویٰ مولانا اصغر علی روحی کا ہے، جس میں انھوں نے عدم تعاون کی تو تائید کی ہے لیکن سکولوں اور کالجوں کے متعلق لکھا ہے کہ جب تک کوئی اپنا انتظام نہ ہو جائے لڑکوں کو ان مدارس سے اٹھانا درست نہیں [۱۳]

جمعیت علمائے ہند نے دہلی میں اجلاس منعقد کیا اور عدمِ تعاون کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے کہا:

" قومی اوقاف، قومی کالجوں اور سکولوں کے ایسے کارپرداز جنھوں نے ترک موالات اور عدم الحاق سے انکار کر کے پابندی مذہب سے انحراف کیا ہے، مسلمانوں سے علیحدہ رہنے والے اور دشمنوں کی طرف سے دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے مجرم ہیں، اس لیے جب تک وہ اپنے طرزِ عمل سے تائب نہ ہوں مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت سے سروکار نہ رکھنا چاہیے - اسی طرح طلبہ اپنے سرپرستوں سے اور اساتذہ اپنے سکولوں یا کالجوں سے کچھ تعلق نہ رکھیں گے [۱۴]

ان فتووں اور قراردادوں کی بارش ہر سمت سے ہو رہی تھی - کالج میں مکمل طور پر ہڑتال تھی اور کالج کا وجود معرضِ خطر میں پڑ گیا تھا چنانچہ مولانا محمد علی جوہر کی تقریر کے بعد مندرجہ ذیل قرارداد منظوری کے لیے جنرل کونسل میں پیش ہوئی -

گورنمنٹ سے تیس ہزار روپے سالانہ کی امداد نہ لی جائے جو کالج کو ملتی ہے اور اس قدر مالی بوجھ قوم برداشت کرے - اگر طلبائے کالج کی غالب اکثریت خواہش ظاہر کرے کہ وہ موجودہ نظام تعلیم سے مطمئن نہیں تو کالج کا تعلق پنجاب یونیورسٹی سے توڑ لیا جائے -

اس اثنا میں کالج کمیٹی کے متعدد اجلاس منعقد ہو چکے تھے - اس کے بعد ۵ دسمبر ۱۹۲۰ء کو صدر انجمن نواب ذوالفقار علی خان کی قیام گاہ " زرافشاں " واقع کوئینز روڈ لاہور (یہ کوٹھی اب سرگنگا رام کی ملکیت ہے اور ہسپتال کی توسیع کے لیے وقف ہے) پر جنرل کونسل کا اجلاس ہوا - ممبرانِ کونسل

---

[۱۳] زمیندار ۱۶ نومبر ۱۹۲۰ - ص ۳

[۱۴] پیسہ اخبار ۲۰ نومبر ۱۹۲۰ - ص

م کی تعداد میں حاضر تھے اور معززینِ شہر بھی موجود تھے۔ اس میں کالج کمیٹی منعقدہ ۱۶ اور ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء اور ۱۷، ۲ اور ۲۶ نومبر ۱۹۲۰ء کی قراردادوں میں سے صرف پرنسپل ہنری مارٹن اور مولوی حاکم علی صاحب کے تعلق قراردادوں پر فیصلہ ہوا۔

ہنری مارٹن پرنسپل کالج کو ۱۰ دسمبر ۱۹۲۰ء کی شام سے کالج کے فرائض سے سبکدوش کر دیا گیا اور مولوی حاکم علی کو سردست معطل کر کے بدبعد کالج کمیٹی جواب طلبی کی گئی کہ انھیں کیوں موقوف نہ کیا جائے اور ساتھ ہی فیصلہ ہوا کہ کالج ۱۱ دسمبر ۱۹۲۰ء کو کھلے، دسمبر کی تعطیلات کے لیے کالج بند نہ کیا جائے، صرف ۳۱ دسمبر ۱۹۲۰ء اور یکم جنوری ۱۹۲۱ء کو چھٹی ہو[۱۵الف]

اس طرح یہ نازک، حساس اور خطرناک دور انجام کو پہنچا اور کالج دوبارہ باقاعدہ کھل گیا۔

برصغیر میں تحریکِ پاکستان کے عروج کے ساتھ دنیائے اسلام کی نظریں آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اس وقت اس جماعت کی ایک ذیلی تنظیم آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن تحریکِ پاکستان کو اپنے خون سے سینچ رہی تھی۔ پنجاب میں مسلم طلبا کی صوبائی شاخ "پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" کا قیام حضرت علامہ اقبال کے مشورے سے ۱۹۳۷ء میں عمل میں آیا۔ یکم ستمبر ۱۹۳۷ء کو جناب میاں محمد شفیع (م۔ش) کی زیرِ صدارت اس کا تاسیسی اجلاس ہوا، اس میں حمید نظامی مرحوم اس کے صدر اور ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اس تنظیم کے پہلے سکریٹری جنرل منتخب ہوئے۔ امجد حسین، عبداللہ بٹ، اکبر ملک، چوہدری رحمت اللہ اسلم (سی۔آر۔اسلم)، جسٹس انوار الحق اور مولانا عبدالستار خان نیازی نے اس تنظیم کی کامیابی و کامرانی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

۱۹۳۷ء میں ملک میں عام انتخابات ہوئے تو پنجاب میں مسلم لیگ کو شکست ہوئی اور صرف دو مسلم لیگی راہنما کامیاب ہوئے۔ مگر اس تنظیم کے قیام نے قائداعظم کا پیغام گلی گلی، قریہ قریہ اور شہر شہر پہنچا دیا۔ نتیجہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں پنجاب میں مسلم لیگ نے ۸۷ سیٹیں حاصل کیں۔ یہ سب اس تنظیم کی مخلص کوششوں کا نتیجہ تھا۔ ۱۹۴۰ء میں پہلی پاکستان کانفرنس کا اہتمام اسلامیہ کالج کے میدان میں کیا گیا۔ قائداعظم نے اس کا افتتاح کیا۔ مرزا عبدالحمید نے ان کی خدمت میں خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ اسی سال انھوں

۱۵الف قلمی روداد جنرل کونسل انجمن ۵ اپریل ۱۹۱۴ - ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء

نے اسلامیہ کالج کے جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت کی اور طلبا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

"قوم کی تمام امیدیں آپ سے وابستہ ہیں۔ آپ ہی قوم کے اصل معمار ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے ملی فرائض کو نہ بھولیے"[16]

نومبر ۱۹۴۲ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے پنجاب کا دورہ کیا۔ جب آپ لاہور تشریف لائے تو اسلامیہ کالج کے طلبا نے ان کو ریواز ہوسٹل میں مدعو کیا تاکہ وہ اپنے افکار سے طلبا کو نوازیں ۔ اس دعوت میں تقریباً دو سو معززین شہر کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی ۔ جب آپ نے اس جلسہ کو رونق بخشی تو ظہور عالم شہید نے ان کی خدمت میں خطبہ استقبالیہ پیش کیا ۔ اس کے جواب میں آپ نے ایک مختصر مگر پُرمغز تقریر کی ۔

۱۹۴۴ء میں قائداعظم نے کالج کے حبیبیہ ہال میں منعقد تقریبات کے اجلاس کو خطاب فرمایا۔ آپ کئی روز تک مسلسل کسی نہ کسی جلسے میں خطاب کے لیے تشریف لاتے رہے ۔ مارچ ۱۹۴۴ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا سالانہ اجتماع کالج میں منعقد ہوا تو آپ تشریف لائے ۔ پنجاب کی ملی تحریکوں میں یہ جلسہ بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اسی جلسے میں اسلامیہ کالج کے علاوہ شہر کے دوسرے کالجوں کے طلبا نے بھی قائداعظم کو اپنی بھرپور اور مکمل حمایت کا یقین دلایا تھا ۔ فیڈریشن کا یہ اجتماع اسلامیہ کالج کے طلبا نے منعقد کیا تھا ۔ سید قاسم رضوی اس جلسے کے روح رواں تھے ۔

تحریک پاکستان میں اس کالج کے اساتذہ اور طلبا نے بے مثال بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کیا ۔ وہ اس تحریک میں بے خطر کود پڑے تھے ۔ جلسے کیے، جلوس نکالے، گرفتار ہوئے، گولیاں کھائیں جب ۱۹۴۷ء میں پنجاب مسلم لیگ نے خضر وزارت کے خلاف تحریک کا آغاز کیا ، اس وقت کالج کے پرنسپل جناب ڈاکٹر عمر حیات ملک تھے ۔ وہ اس تحریک کو کامیاب و کامران بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے ۔ کالج کے اساتذہ اور طلبا میں باقاعدہ مباحثہ ہوا عنوان تھا "کیا اساتذہ کو گرفتاریاں پیش کرنی چاہئیں یا اس کے سوا تحریک میں پُرجوش حصہ لینا چاہیے" ۔ مگر کالج کے استاد مرغوب صدیقی جیل خانے جانے کے حق میں تھے ۔ چنانچہ آپ صفِ اوّل کے گرفتار شدگان میں سے ایک تھے ۔ اس وقت بیگم شاہ نواز اور شیخ کرامت علی

---

[16] حمایت اسلامیہ ، ۱۰ اپریل ، ۱۹۰۰

بھی گرفتار ہوئے تھے۔

بہرحال اسلامیہ کالج برصغیر پاک و ہند کے ان عظیم تعلیمی اداروں میں سے ہے، جس کو ہر دور میں مخلص محنتی، مشفق اور بہترین اساتذہ کے تعاون کا شرف حاصل رہا ہے جنھوں نے نہ صرف طلبا کی تعلیمی صلاحیتوں کو جلا بخشی، بلکہ ان کے دیگر ذاتی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے بھی سراپا توجہ اور شفقت بن گئے ہیں۔ ان میں انگریز (اہل یورپ)، عیسائی اور ہندو بھی شامل رہے ہیں۔ ان اساتذہ کی محنت اور خصوصی توجہ کی وجہ سے کالج کا تعلیمی معیار ہمیشہ بلند رہا ہے اور بورڈ اور یونیورسٹی کے نتائج بھی عمدہ رہے ہیں۔ ان علما اور فضلا کی فہرست بہت طویل ہے۔

بہرحال اسلامیہ کالج برصغیر کی ایک عظیم تعلیمی درس گاہ ہے۔ اس کو ملکی اور غیر ملکی ماہرین تعلیم کا تعاون حاصل رہا ہے۔ اس ادارے نے زندگی کے ہر شعبے میں لائق اور قابل افراد پیدا کیے ہیں۔ ماہر سائنس دان، ریاضی دان قانون دان، انجنیئر، ڈاکٹر، شاعر، ادیب اور تنقید نگار جو اپنے علم و فن میں بڑی استعداد اور قابلیت رکھتے ہیں۔ اس کے طلبائے قدیم کی طویل فہرست میں سے چند نام یہ ہیں:

جسٹس انوار الحق، جسٹس اے۔ آر چنگیز، جسٹس عبدالعزیز، جسٹس عبدالرحمان، شیخ عبداللہ شیر کشمیر سردار محمد ابراہیم خان (سابق صدر آزاد کشمیر)، چوہدری محمد علی مرحوم (سابق وزیر اعظم پاکستان)، عبدالستار خان نیازی، ظہور عالم شہید، عبداللہ ملک، حمید نظامی، عبدالسلام خورشید، میرزا ادیب، مرزا محمود نظامی، مقبول بیگ بدخشانی، غلام جیلانی برق، مولانا صلاح الدین احمد، نسیم حجازی، خواجہ دل محمد، شیخ زاہد حسین میاں نظام الدین، ڈاکٹر امیر الدین سرجن، غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، ڈاکٹر جہانگیر خان، محمد عبدالحق پروفیسر لال محمد چاولہ، پروفیسر انجم رومانی، پروفیسر تاج محمد خیال، آغا رضا خان، ڈاکٹر داؤد حسین، پروفیسر نذیر احمد صاحب اور حکیم آفتاب قریشی۔